جاہدین مولانا فضل الٰہی وزیرآبادی کا ایک نادر خط

نشتہ سال مجھے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے بانی ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔
مجھے اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی مرحوم کے نوادرات اور ذاتی کاغذات دکھائے تو
انا ابوالکلام آزاد، مولانا عبیداللہ سندھی، مولوی محمد برکت اللہ بھوپالی، حکیم محمد اجمل خان،
ہرلال نہرو اور امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیرآبادی کے خطوط بھی تھے۔ میری درخواست
نے مجھے ان خطوط کے عکس بنوا دیے اور میں نے ان میں سے اکثر بزرگوں کے خطوط شائع کر
یے لہ

مجموعہ نوادرات میں امیرالمجاہدین مولانا فضل الٰہی کا صرف ایک ہی خط نکلا جو انھوں نے
۱۹۲۹ء کو مرکز مجاہدین چمرکنڈ سے ان کے نام تحریر فرمایا تھا۔ میں یہ خط ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ صاحب
یے کے ساتھ شائع کر رہا ہوں۔

ب نگار

یرالمجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مورث اعلیٰ سکھوں کے دورِ حکومت میں
ں (ضلع گجرات) سے ترکِ سکونت کرکے وزیرآباد چلے آئے تھے۔ مولانا کے والد بزرگوار میراں بخش
۔ یہ امیر بخش بڑے اچھے مستری تھے۔ جب دریائے چناب پر ریل کا پل تیار ہوا تو انھوں
ں کارکردگی سے انگریز ماہرینِ تعمیرات کو بڑا متاثر کیا اور ان کی سفارش پر انھیں محکمہ ریلوے میں

لہ (i) مولانا عبیداللہ سندھی کے سیاسی مکتوبات، مطبوعہ جرنل پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل سوسائٹی، بابت
۱۹۷۹ء تا دسمبر ۱۹۸۰ء
(ii) مکاتیبِ اجمل، مطبوعہ ماہنامہ برہان دہلی، بابت ماہ ستمبر ۱۹۸۰ء
(iii) مولانا ابوالکلام آزاد کے دو نادر خط، مطبوعہ ماہنامہ برہان دہلی، بابت ماہ نومبر ۱۹۸۰ء
(iv) مولوی برکت اللہ بھوپالی کے چند نادر خط، مطبوعہ مجلہ پاکستان، جامعہ پشاور، بابت موسم بہار ۱۹۸۱ء

سب پلیٹیر مقرر کیا گیا۔[۵۲] ان کے پوتے مولوی محمد سلیمان[۵۳] فرماتے ہیں کہ ان کے دادا عالم جوانی میں بڑے صحت مند اور کڑیل جوان تھے اور انھوں نے استاذ پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے چند دینی کتابیں پڑھی تھیں۔[۵۴]

مولانا فضل الٰہی ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء کو محلہ خرادیاں وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مشن سکول وزیر آباد میں تعلیم پائی اور ۱۹۰۰ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ مولانا کو اردو، فارسی، عربی اور انگریزی پر کامل دسترس تھی۔ پنجابی ان کی مادری زبان تھی اور یاغستان میں قیام کے دوران میں انھوں نے پشتو بھی سیکھ لی تھی اور وہ اس زبان میں بڑی روانی کے ساتھ تقریر کر لیتے تھے۔ انھوں نے دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار کے استاد مولانا حافظ عبدالمنانؒ سے حاصل کی تھی اور ان ہی کے ذریعے تحریک مجاہدین سے متعارف ہوئے تھے۔

مولانا فضل الٰہی کے والد بزرگوار اور بڑے بھائی محمد الٰہی ریلوے میں ملازم تھے اس لیے تعلیم سے فراغت کے بعد وہ بھی ریلوے کے انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں بھرتی ہو گئے۔ حافظ صاحب کی صحبت میں رہتے ہوئے ان کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ہو سکے، ملازمت ترک کر کے یاغستان پہنچ جائیں اور انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیں۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ میں انھیں "انتہائی متعصب مولوی" بتایا گیا ہے۔

سی آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق انھوں نے ذہنی رجحان کے باعث ملازمت چھوڑ دی[۵۵] اور ۱۹۰۳ء میں

---

۵۲ سی آئی ڈی کی رپورٹ میں انھیں ریٹائرڈ سب پلیٹیر بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔ مولانا محمد میاں، تحریک شیخ الہند، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۱۹۳

۵۳ راقم الحروف نے مولوی محمد سلیمان سے مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۲ء کو انٹرویو لیا تھا۔

۵۴ حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ (۱۸۵۰ء۔ ۱۹۱۶ء) کا شمار اہل حدیث کے اکابر علما میں ہوتا ہے۔ موصوف استاذ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور مولانا عبداللہ غزنویؒ کے شاگرد تھے۔ حافظ صاحب کے شاگردوں میں سے مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا محمد اسمٰعیل سلفی نے بڑا نام پایا ہے۔ حافظ صاحب پنجاب میں مسلک اہل حدیث کے مبلغین میں شمار ہوتے ہیں۔

۵۵ مولانا محمد میاں، تحریک شیخ الہندؒ، ص ۲۰۹

اکر امیر المجاہدین مولانا عبدالکریم سے بیعت ہوئے۔ امیر المجاہدین نے انھیں پنجاب سے چندہ اور
ہم کرنے کا کام سونپا جسے انھوں نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا اور اس خدمت کے صلے میں
میر المجاہدین ہند" کا خطاب ملا۔[۵۶]

آباد اور اس سے متصل قصبہ نظام آباد چاقو اور چھریوں کی صنعت کے لیے پورے ملک میں مشہور تھے۔
ل الٰہی نے چھریاں اور چاقو فروخت کرنے کے بہانے مختلف شہروں کے دورے شروع کر دیے بظاہر
د کی مختلف فرموں کے لیے چھریاں اور چاقو سپلائی کرنے کے آرڈر لیتے تھے لیکن در پردہ
کے لیے چندہ جمع کرتے تھے۔

آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق انھوں نے مولوی عبدالرحیم خطیب مسجد چینیاں والی لاہور کے
ر لاہور کے کالجوں کے طلبا کو یاغستان بھیجنے کا منصوبہ تیار کیا اور انھیں فرار میں مدد دی۔[۵۷]
لانا فضل الٰہی کی سرگرمیاں حکومت کی نظروں سے مخفی نہ رہیں۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے کہ "مولوی
ں اس شخص میں جہاد کی روح پھونک دیتا تھا جو اس سے ملتا تھا۔"[۵۸] برطانوی حکومت نے انھیں
۱۹۱۵ء کو مجاہدین کو چندہ بھیجنے کے جرم میں گرفتار کر کے جالندھر جیل میں نظر بند کر دیا۔[۵۹] مولوی محمد سلیمان
ت ہے کہ ان کے دادا اور دادی کبھی کبھی جالندھر جاتے اور جیل کے ملازمین کو پونڈ دو پونڈ دے کر
ت جگر کی ایک جھلک دیکھ لیتے۔ ایک بار جیل میں ان کا ایک خط پکڑا گیا، اس لیے ان کی نگرانی سخت
ئی۔ اس زمانے میں یہ بات عام مشہور ہو گئی تھی کہ انھیں پھانسی یا عبور دریائے شور کی سزا ملے گی۔
سی صدمے سے ان کے والد بزرگوار فوت ہو گئے۔[۶۰]

---

۵۶ خالد گرجاکھی، مولانا فضل الٰہی مرحوم، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ص ۶۳

۵۷ سی آئی ڈی کی اس رپورٹ کی تصدیق ظفر حسن ایبک کی ـ آپ بیتی ـ سے بھی ہوتی ہے۔ ظفر حسن ایبک لاہور سے فرار
لے طلبا میں شامل تھے۔ ملاحظہ کیجیے: ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، مطبوعہ منصور بک ڈپو لاہور، ج اول، ص ۲۱

۵۸ مولانا محمد میاں، تحریک شیخ الہند، ص ۲۰۰

۵۹ غلام رسول مہر، سرگزشت مجاہدین، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء، ص ۵۸۹۔

۶۰ انٹرویو مولوی محمد سلیمان

۱۹۱۸ء میں جنگ کے خاتمے پر انھیں جیل سے رہائی مل گئی، لیکن تین سال کے لیے انھیں علاقہ بند کر کے صبح و شام وزیر آباد کے تھانے میں ان کی حاضری لازمی قرار دی گئی۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ امرتسر کے سانحے کے بعد ملک کے طول و عرض میں جو مظاہرے ہوئے، مولانا نے ان میں کوئی حصہ نہیں لیا، اس لیے ایک سال بعد ہی ان سے پابندی ہٹالی گئی۔

پابندی اٹھنے کے بعد مولانا فضل الٰہی نے چاقو چھریاں بیچنے کے بہانے مجاہدین کے لیے دوبارہ چندہ فراہم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۹۲۰ء میں وہ رتلام میں معاونین کی ایک میٹنگ میں شرکت کر رہے تھے کہ انھیں اطلاع ملی کہ ان کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے ہیں اور پولیس ان کی تلاش میں لگی ہوئی ہے۔[۱۱] یہ اطلاع ملتے ہی مولانا بعجلت تمام سرحد پار کر کے ۱۷ اگست ۱۹۲۰ء کو چمرکنڈ پہنچ گئے۔ انگریزوں نے ان کی عدم موجودگی میں ان کی جائداد نیلام کر دی اور ان کے لواحقین کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی شروع کر دی۔

مولوی محمد سلیمان فرماتے ہیں کہ ان دنوں محلے کا ہر گھر سی آئی ڈی کا دفتر بن چکا تھا اور محلے والے پل پل کی خبر پولیس تک پہنچاتے تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر سی آئی ڈی کے افراد موجود رہتے تھے، جو ہر اجنبی مسافر پر کڑی نظر رکھتے تھے کہ وہ کہیں مولانا فضل الٰہی کا قاصد نہ ہو۔ مولوی صاحب ان دنوں سکول میں پڑھتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ان کی کلاس کے اندر اور سکول کے باہر سی آئی ڈی موجود رہتی تھی۔ ان دنوں شہر کا کوئی فرد یا ان کا قریبی رشتے دار ان کے گھر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔[۱۲]

مولانا فضل الٰہی کے چمرکنڈ پہنچنے کے بعد وہاں مجاہدانہ سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا اور امیر المجاہدین عبدالکریم قنوجی نے ۵ فروری ۱۹۲۱ء کو اپنی جگہ ان کے لیے خالی کر دی۔ ادھر تین ماہ بعد ۴ مئی ۱۹۲۱ء کو اسمس میں مولوی یوسف نے امیر نعمت اللہ کو شہید کر دیا۔[۱۳]

مولانا فضل الٰہی نے عارضی طور پر امارت کے فرائض سنبھالنے کے بعد مرکز مجاہدین میں اصلاحات نافذ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ مرکز میں بچوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ موصوف نے وہاں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ بعدازاں

۱۱۔ خالد گرجاکھی، مولانا فضل الٰہی مرحوم، ص ۱۰۴ ـــ ۱۰۶

۱۲۔ انٹرویو مولوی محمد سلیمان

۱۳۔ خالد گرجاکھی، مولانا فضل الٰہی مرحوم، ص ۱۱۰

انھوں نے ایسا ہی ایک مدرسہ اپنی نواحی بستی میں قائم کیا جس کا ذکر انھوں نے اقبال شیدائی مرحوم کے نام ایک خط میں کیا ہے ۔[۱۴]

انھوں نے المجاہد کے نام سے ایک پندرہ روزہ اخبار بھی جاری کیا جس کے ذریعے عوام کو مجاہدین کی سرگرمیوں کی اطلاع دی جاتی تھی ۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ کے مطابق اسمس میں مجاہدین کا پریس جو جہاد کے پمفلٹ چھاپا کرتا تھا ، اسے مولوی فضل الٰہی نے ہی فراہم کیا تھا ۔[۱۵]

ان کے ذہن میں اسلحہ سازی کا بھی پروگرام تھا اور وہ یاغستان میں ایک ٹیکسٹائل مل بھی لگانا چاہتے تھے ۔ موصوف نے اس اسکیم کو عملی پہنانے کے لیے جلال پور جٹاں سے چند کاریگر چمرکنڈ بلائے اور ان کی مدد سے ہینڈلوم لگائیں ۔ اس وقت تک مجاہدین کی کفالت ہندوستان سے آنے والے چندوں پر تھی ۔ مولانا فضل الٰہی یہ چاہتے تھے کہ یاغستان میں صنعتیں قائم کر کے مجاہدین کو خود کفیل بنا دیا جائے تاکہ چندوں سے نجات ملے ۔[۱۶]

مولوی محمد بشیر کی یاغستان سے واپسی کے بعد مجاہدین نے انھیں امیر المجاہدین منتخب کر لیا اور مولانا فضل الٰہی نے خود کو تعلیم و تعلم کے لیے وقف کر دیا ۔ یکم مارچ ۱۹۲۶ء کو اسمس اور چمرکنڈ کے مرکز متحد ہو گئے ۔ مولانا فضل الٰہی اس الحاق سے خوش نہ تھے ، اس لیے وہ وقتی طور پر سیاست سے الگ ہو گئے اور انھوں نے خود کو بچوں کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ۔ اس زمانے میں انگریزوں نے کئی بار اپنے ایجنٹوں کے ذریعے انھیں قتل کروانے کی کوشش کی لیکن وہ ہر بار بچ نکلے ۔

مولانا فضل الٰہی نے فقیر ایپی کی دعوت پر تین سال وزیرستان میں گزارے ، جہاں وہ فقیر صاحب کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیتے رہے ۔ وزیرستان میں مجاہدین کی سرگرمیوں کا ذکر انھوں نے شیدائی مرحوم کے نام اپنے خط میں بھی کیا ہے ۔

مولانا فضل الٰہی کے سوانح نگار خالد گرجاکھی لکھتے ہیں کہ موصوف نے ۱۹۳۹ء میں عبدالرزاق کابلی کے

---

۱۴ خط مملوکہ ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ ، ملتان

۱۵ مولانا محمد میاں ، تحریک شیخ الہند ، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ ، ص ۳۲۰

۱۶ خالد گرجاکھی ، مولانا فضل الٰہی مرحوم ، ص ۱۱۱

رضی نام سے حج کیا اور حج سے واپسی پر انھوں نے متعدد سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کی[۱۷] گھرجاکھی صاحب
کی تحریروں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مولانا حج سے واپسی کے بعد کلکتہ ہی میں سکونت پذیر ہوگئے اور انھیں
نے جنگ کا زمانہ وہیں گزارا۔

۱۹۳۹ء میں یکم ذی الحجہ ۲۲ جنوری کو پڑتی ہے۔ اس حساب سے اس سال حج یکم فروری کو ہوا تھا۔
حج سے واپسی کے بعد مولانا فضل الٰہی کا مستقلاً کلکتہ میں رہ جانا قرین قیاس نہیں ہے کیوں کہ اسی
سال ۲۷ نومبر کو موصوف چمرکنڈ میں تھے جہاں سے انھوں نے شیدائی مرحوم کو خط لکھا تھا۔

کلکتہ میں قیام کے دوران میں امیر المجاہدین کا رابطہ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا محمد یوسف کلکتوی،
عثمان صاحب میئر کلکتہ کارپوریشن اور مولانا راغب احسن کے ساتھ رہا[۱۸]۔ مولانا راغب احسن کے ساتھ ان
کے روابط اس حد تک بڑھے کہ قیام پاکستان کے بعد مولانا فضل الٰہی نے انھیں مشرقی پاکستان میں
اپنا نائب مقرر کر دیا۔ مغربی پاکستان میں ان کی نیابت کے فرائض صوفی عبداللہ مرحوم انجام دیا کرتے تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ مولانا فضل الٰہی کلکتہ میں ملنگ کے بھیس میں رہا کرتے تھے۔ اس زمانے
میں، وہ جس شخص سے بیعت لیتے، اس سے تین باتوں کا عہد لیتے۔

۱۔ وہ شرک نہیں کرے گا۔

۲۔ وہ نماز کی پابندی کرے گا۔

۳۔ وہ اپنی زندگی میں کم از کم ایک انگریز کو ضرور قتل کرے گا[۱۹]۔

مولانا فضل الٰہی کو حضرت سید احمد بریلویؒ کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ وہ یاغستان میں ان کے
جانشین تھے اور اس فرض کو بڑی تندہی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ مولوی محمد سلیمان کی روایت ہے کہ
ان کے والد بزرگ وار سید صاحب کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ وہ انھیں ولی کامل سمجھتے تھے اور جب
ان کا ذکر کرتے تو ہمیشہ "حضرت امیر المومنین" کہہ کر انھیں یاد کیا کرتے تھے۔

۱۷۔ خالد گرجاکھی، مولانا فضل الٰہی مرحوم، ص ۱۵۳

۱۸۔ انٹرویو مولوی محمد سلیمان

۱۹۔ خالد گرجاکھی، مولانا فضل الٰہی مرحوم، ص ۱۶۰

قیام پاکستان کے بعد مولانا فضل الٰہی ستائیس برس کی غیر حاضری کے بعد وزیر آباد آئے۔ ان کا گھر بار تو ان کی غیر موجودگی میں نیلام کر دیا گیا تھا؛ اس لیے وہ اپنے بھائی محمد الٰہی کے ہاں ٹھہرے۔ جوں ہی پولیس کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں "ملک معظم کی حکومت کے خلاف بغاوت کے جرم" میں ۱۹۲۰ء میں رجسٹرڈ شدہ ایک مقدمے کی بنا پر گرفتار کر لیا[۱۲۰]۔ ان کی گرفتاری کے خلاف وزیر آباد کے محب وطن افراد نے بڑا واویلا کیا۔ جب اخبارات میں ان کی گرفتاری کی خبر چھپی تو لوگوں کو اس کا بڑا صدمہ ہوا۔ اقبال شیدائی کے ذاتی کاغذات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ انھوں نے فوراً وزیر اعظم لیاقت علی خان، چوہدری محمد علی اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ نواب افتخار حسین خان ممدوٹ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور نواب ممدوٹ کی مداخلت پر انھیں پولیس کے چنگل سے رہائی ملی[۱۲۱]۔

امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی نے کشمیر کے جہاد میں بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا[۱۲۲] اور ان کے ساتھی سردار عبدالقیوم کی کمان میں بھارتی فوج کے خلاف بڑی بہادری کے ساتھ لڑتے رہے۔ موصوف خود مجاہدین کے لیے اسلحہ اور رسد کی فراہمی میں مصروف رہے۔ جب لیاقت علی خان نے کشمیر میں جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو انھیں اس کا بڑا صدمہ ہوا۔

طویل مدت تک یاغستان میں رہنے کی بنا پر وزیر آباد کی آب و ہوا انھیں راس نہ آئی اور وہ بیمار رہنے لگے۔ مولوی محمد سلیمان کی روایت ہے کہ انھیں تپ دق کا عارضہ لاحق ہوا اور وہ کوئی اٹھائی برس علیل رہے۔

علالت کے زمانے میں ایک بار مولانا نے گرمیوں کا موسم ایبٹ آباد میں گزارا اور وہاں کی معتدل آب و ہوا انھیں بڑی راس آئی۔ اپنے آخری ایام حیات میں موصوف تبدیلی آب و ہوا کے لیے جہلم تشریف لے گئے جہاں ان کی ہمشیرہ کا ایک باغ تھا۔ ان کا زیادہ تر وقت اس باغ میں گزرتا تھا۔ علاج

---

۱۲۰ گلزار احمد اعوان، ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی کے احوال و آثار، مقالہ مخزونہ لائبریری شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، ورق ۱۳۲

۱۲۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور، بابت ۱۴ اگست ۱۹۴۸ء

۱۲۲ غلام رسول مہر، سرگزشت مجاہدین، ص ۵۹۲

معالجہ اور دیکھ بھال کے باوجود موصوف دن بہ دن کمزور ہوتے گئے۔ مولوی محمد سلیمان کی روایت ہے کہ ان کا وزن ۳۲ سیر کے قریب رہ گیا تھا۔ بالآخر وہ ساعتِ موعود آپہنچی جس کا مدت سے انتظار تھا۔ مولانا جہلم ہی میں ۵ مئی ۱۹۵۱ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

امیر المجاہدین کی میت جہلم سے وزیرآباد لائی گئی۔ ان کے معتقدین ان کی وفات کی خبر ملتے ہی وزیرآباد پہنچنا شروع ہو گئے۔ مولانا محمد یوسف گکھڑوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم کی وصیت کے مطابق انھیں بالاکوٹ میں شہدا کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ بالاکوٹ کا سانحہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو پیش آیا تھا اور اس کے پورے ۱۲۰ برس بعد ۶ مئی کو انھیں بھی دریائے کنہار کے کنارے شہدائے بالاکوٹ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ رحمۃ اللہ علیہ واسعاً وکثیراً۔

امیر المجاہدین کو دیکھنے والے ابھی کافی لوگ موجود ہیں۔ راقم الحروف نے مولانا محمد حنیف ندوی صاحب سے ان کے بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ایک بار امیر المجاہدین گوجرانوالہ تشریف لائے تو اس موقع پر انھوں نے ان کو قریب سے دیکھا تھا۔ ان کا جسم دبلا پتلا، قد لمبا اور رنگ سفید تھا۔ ان کا چہرہ دیکھ کر سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود کی طرف دھیان جاتا تھا۔ اس بڑھاپے میں بھی ان کی ہمت جوان تھی اور ان کا جذبۂ جہاد قابلِ تحسین تھا۔ مولانا ندوی فرماتے ہیں کہ ان کا ناک پتلا اور آنکھیں عقاب کی طرح تیز بین تھیں اور اگر عقاب انسانی شکل میں ہوتا تو وہ مولانا فضل الٰہی کی شکل اختیار کرتا۔[۲۳]

مولانا عطاء اللہ حنیف نے موچی دروازہ لاہور میں جناب قمر الدین مرحوم کے ہاں امیر المجاہدین کو دیکھا تھا۔ وہ بھی ان کے خلوص اور جذبے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔[۲۴]

گوجرانوالہ کے معمر بزرگ عبداللہ اہلِ حدیث[۲۵] ایک بار ابو نصیر الدین کے ہمراہ امیر المجاہدین سے وزیرآباد ملنے گئے۔ اس ملاقات کا مقصد کوئی جماعتی کام تھا۔ ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ ان سا جذبۂ جہاد اور خلوص اب عنقا ہو چکا ہے۔[۲۶]

---

۲۳ انٹرویو مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۸۲ ۲۴ انٹرویو مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۲

۲۵ اہلِ حدیث ان کا مسلک ہی نہیں بلکہ نام کا جزو بن چکا ہے۔

۲۶ انٹرویو مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۲

مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی مسلکاً اہل حدیث تھے، اس لیے اسی مسلک کے لوگ ان سے زیادہ متعارف ہیں۔

میر المجاہدین کے خط کی اہمیت

یہ تاریخی خط تحریکِ آزادی کے ایک فراموش کردہ ہیرو کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس خط کے ایک ایک لفظ میں توکل علی اللہ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہ خط کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

چمرکنڈ اور اسمس کے مراکز میں جو اختلاف چل رہا تھا، اس کا ذکر بھی ضمناً اس خط میں آگیا ہے۔

میر المجاہدین کے اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یاغستان میں چند ایسے مجاہد بھی موجود تھے جو چمرکنڈ اور اسمس سے قطع تعلق کر کے ایک نیا مرکز قائم کرنے کی فکر میں تھے۔ اس زمانے میں فقیر ایپی نے وزیرستان کے علاقے میں انگریزوں کے خلاف جہاد شروع کر رکھا تھا، اس کی طرف بھی اس خط میں ایک واضح اشارہ موجود ہے۔

مولوی محمد علی قصوری ایم اے کینٹب کابل اور یاغستان میں کئی سال گزار چکے تھے۔ انھوں نے انگریزوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا تھا لیکن بعد ازاں سرحد کے گورنر سر روس کیپل نے صاحب زادہ عبدالقیوم کے توسط سے مولوی صاحب کو پشاور بلا کر سمجھایا اور انھیں برطانوی حکومت سے معافی دلوا دی۔ مولوی صاحب نے بمبئی جا کر تجارت شروع کر دی۔ اس خط میں مولوی صاحب کی یوں "تضیعِ اوقات" کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

اس خط سے مرکز مجاہدین میں علم کی نشر و اشاعت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس زمانے میں چمرکنڈ میں بیٹھ کر خط و کتابت کرنی کتنی مشکل تھی، اس کا اندازہ اس دور میں نہیں لگایا جا سکتا۔ مولانا فضل الٰہی کی سرگزشت پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے قاصد انگریزوں کے ہاتھ لگے اور باغیانہ سرگرمیوں کی پاداش میں تختۂ دار پر چڑھائے گئے۔ یورپ سے ایک خط چمرکنڈ پہنچنے میں چھ ماہ لگ جاتے تھے اور پھر اتنا وقت ہی جواب پہنچنے میں لگ جاتا تھا۔ کابل میں مقیم ہندوستانی مسلمان مجاہدین اور بیرونی ممالک میں بسنے والے حریت پسندوں کے درمیان رابطہ کا کام دیتے تھے۔

مکتوب الیہ

مولانا فضل الٰہی کے مخاطب ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی سیال کوٹ کے ایک نواحی گاؤں "پورہ ہیراں"[کلہ] میں

[کلہ] اب یہ گاؤں سیال کوٹ میونسپلٹی کی حدود میں شامل ہو چکا ہے۔

۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار ماسٹر غلام علی بھٹہ (م ۱۹۲۷ء) اسکاچ مشن سکول سیالکوٹ میں انگریزی اور سائنس کے استاد تھے اور انھیں علامہ اقبال مرحوم کے استاد شمس العلما مولوی میر حسن (م ۱۹۲۹ء) سے تلمذ تھا۔

شیدائی صاحب کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی اور انھوں نے ۱۹۱۴ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ طالب علمی کے زمانے ہی میں انھوں نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کردی اور اسی زمانے میں ان کا تعارف مولانا شوکت علی (م ۱۹۳۸ء) اور سر میاں محمد شفیع (م ۱۹۳۲ء) سے ہوا۔ مولانا شوکت علی کی تحریک پر شیدائی صاحب "انجمن خدام کعبہ" کے رکن بنے۔ کعبہ شریف کے شیدائی ہونے کی وجہ سے انھیں "شیدائی" کا لقب ملا۔

۱۹۱۷ء میں شیدائی صاحب نے بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ اس زمانے میں برصغیر کی سیاست زوروں پر تھی۔ ہر مسلم نوجوان ترکی جاکر انگریزوں کے خلاف لڑنا اپنے لیے فخر سمجھتا تھا۔ جنگِ عظیم کے دوران میں گورنمنٹ کالج لاہور اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے کئی مسلمان طلبا اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ترکی جانے کی خواہش میں آزاد قبائلی علاقے سے ہوتے ہوئے کابل پہنچ گئے۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو مولانا عبیداللہ سندھی بھی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن[۲۸] کے مشن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کابل پہنچ گئے۔ شیدائی صاحب نے دو بار ہجرت کی کوشش کی لیکن راستے ہی سے خوانین ہزارہ نے انھیں واپس کر دیا۔ اس کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور موصوف جولائی ۱۹۲۰ء کو پشاور ہوتے ہوئے کابل پہنچ گئے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے انھیں "حکومت موقتۂ ہند" میں جنگ اور مواصلات کا نائب وزیر مقرر کیا۔ کابل میں قیام کے دوران میں موصوف ایک خاص مشن پر تاشقند بھیجے گئے اور وہاں سے دو ہندی طلبا کو سمجھا بجھا کر کابل لے آئے۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں جب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ماسکو روانہ ہوئے تو شیدائی صاحب ان کے ہم رکاب تھے[۲۹]۔ ماسکو پہنچتے ہی انھیں ترکی کا پاسپورٹ مل گیا اور موصوف ۲۱ اپریل ۱۹۲۳ء کو انقرہ پہنچ گئے۔

---

[۲۸] حضرت شیخ الہند کا صحیح نام محمود حسن ہے۔ لوگ غلطی سے محمود الحسن لکھ دیتے ہیں۔

[۲۹] ظفر حسن ایبک، آپ بیتی، مطبوعہ اشرف پریس لاہور، ج اول، ص ۲۵۵

اس وقت ترکی میں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ کمال اتاترک نے خلیفۃ المسلمین کے سیاسی اختیارات
ب کر لیے تھے اور اب وہ خلافت ہی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ شیدائی مرحوم چوں کہ اسلامی اقدار کے شیدائی اور
فت کے زبردست حامی تھے، اس لیے ان بدلے ہوئے حالات میں ترک حکام نے انھیں ناپسند کیا،
ترکی سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیدائی صاحب ترکی سے فرانس چلے گئے اور گھومتے پھرتے۔ اجون ۱۹۲۴ء
روم پہنچ گئے۔

حکیم محمد اجمل خاں[30]، مولانا عبید اللہ سندھی اور مولوی محمد برکت اللہ بھوپالی[31] ایسے احباب کے مشورے
شیدائی صاحب نے اٹلی میں تجارت شروع کر دی اور وہ عرب ممالک کے ساتھ کاروبار کرنے لگے۔
ارت میں مشغولی کے باوجود وہ اپنے مقصد سے غافل نہ ہوئے۔ ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں
ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات قائم رہے۔ ان سیاسی رہنماؤں میں سے اگر کوئی یورپ کی سیاحت
جاتا کو شیدائی صاحب کو شرف میزبانی بخشتا۔

۱۹۳۶ء میں شیدائی صاحب نے شارلوت نام کی ایک فرانسیسی خاتون سے شادی کر لی اور اس کا
لامی نام بلقیس رکھا۔ ۱۹۳۸ء میں ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام شیریں تجویز ہوا۔ اس بچی
نے ڈینٹل سرجری کی تعلیم حاصل کی اور اب جنوبی فرانس میں مقیم ہے۔

دوسری عالم گیر جنگ کے آغاز سے قبل ہی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر شیدائی صاحب کو فرانس سے نکل
نے کا حکم ملا۔ موصوف فرانس سے سوئٹزر لینڈ چلے گئے اور کچھ عرصے بعد وہاں سے بھی نکالے گئے۔
نھوں نے جنگ کا زمانہ اٹلی میں گزارا جہاں وہ انگریزوں کے خلاف ریڈیو سے اردو میں پروگرام نشر
یا کرتے تھے[32]۔

جنگ کے خاتمے پر جب برصغیر میں پنڈت جواہر لال نہرو کی سربراہی میں عبوری حکومت قائم ہوئی تو
یدائی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد سے اپنی وطن واپسی کے بارے میں خط و کتابت شروع کی تو پنڈت جی[33]

۳۰؎ مکاتیبِ اجمل، مرتبہ محمد اسلم، مطبوعہ ماہنامہ برہان دہلی، بابت ماہ ستمبر ۱۹۸۰ء

۳۱؎ مولوی برکت اللہ بھوپالی کے چند نادر خط، مرتبہ محمد اسلم، مطبوعہ مجلہ "پاکستان" پشاور یونیورسٹی، بابت ماہ مارچ ۱۹۸۱ء

۳۲؎ شیدائی صاحب "ہمالہ ریڈیو" روم سے برصغیر کے لیے اردو زبان میں پروگرام نشر کیا کرتے تھے۔

۳۳؎ مولانا ابوالکلام آزاد کے دو نادر خط، مرتبہ محمد اسلم، مطبوعہ ماہنامہ برہان دہلی، بابت ماہ نومبر ۱۹۸۰ء

کی سفارش پر برطانوی حکومت نے انھیں پاسپورٹ دے دیا

شیدائی صاحب اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچے اور وہاں مختصر سے قیام کے بعد اپنے وطن سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں عوام نے ان کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ انھوں نے ایک بار اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمائندگی بھی کی۔

اسکندر مرزا جس زمانے میں وزارتِ دفاع کے سیکرٹری تھے، انھوں نے اسلحہ کی خریداری میں دھاندلی کا ارتکاب کیا تو شیدائی صاحب نے چوہدری محمد علی اور خان لیاقت علی خان کو اس کی اطلاع دے دی۔ اسکندر مرزا اسی دن سے ان کا مخالف ہو گیا اور جب اس نے گورنر جنرل کی حیثیت سے عنانِ اقتدار سنبھالی تو اس نے ان کی گرفتاری کا ارادہ کیا۔ شیدائی صاحب کے کرم فرماؤں نے انھیں بروقت اس کی اطلاع دے دی اور وہ چپکے سے اٹلی روانہ ہو گئے۔[۳۲]

اٹلی میں قیام کے دوران میں انھیں تیورن یونیورسٹی میں اردو پڑھانے کا کام مل گیا اور موصوف کئی سال تک وہاں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اگست ۱۹۶۵ء میں شیدائی صاحب پاکستان لوٹ آئے اور سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔

لاہور میں ان کا قیام اپنے بھانجے چوہدری عبدالرحمٰن بھٹہ کے ہاں تھا۔ آخری عمر میں انھیں دل کا عارضہ لاحق ہوا اور ۱۳ جنوری ۱۹۷۴ء کو موصوف اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ راقم الحروف کو ان سے ملنے اور ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہے۔ ان کی لوحِ مزار پر نظیری کا یہ شعر کندہ ہے جو ان کی زندگی کا آئینہ دار ہے:

نیست در خشک و ترِ بیشہ من کوتاہی   چوب ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Chamarkand
27 – 11 – 39

از خادم المجاہدین فضل الٰہی وزیر آبادی

برادر عزیز و لطیف محمد اقبال خان صاحب شیدائی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا فقط ایک خط دستی مولوی فضلِ ربی صاحب کے عرصہ پانچ چھ ماہ میں ملا

۳۲۔ ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ، اقبال شیدائی (قلمی)

آپ کس پروگرام کے متعلق کہتے ہیں۔ چند روز میں انشاء اللہ بلال بھائی وہاں پہنچیں گے۔ مجھے یہاں کے کام سے بالکل فرصت نہیں کہ نقل وحرکت کرسکوں۔ کوشش کروں گا۔ اگر وقت مل گیا تو پہنچوں گا۔

پرسوں مولوی محمد بشیر صاحب کی ڈاک پہنچی تھی۔ دشمن نے سارا زور مکین[1] پر ڈال رکھا ہے۔ آدمیوں اور روپیہ کی سخت ضرورت بتائی گئی ہے۔ باوجود یہاں کی سخت ضروریات کے پھر بھی چھ آدمیوں کی کمک اور چند ہزار روپیہ ان کو روانہ کردیے ہیں۔

اپنی قسمت کی شکایت ہے کسی کی شکایت نہیں۔ ہمیں ایسی نازک حالت میں جب کہ ہمارا حال بیرونی امداد کی ضرورت میں اب تک ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کا تھا، کاش ان بھائیوں سے جنھیں اپنایت کا دعویٰ تھا بے حد تکلیف پہنچی۔ اللہ ہماری بگڑی کو بنادے اور بجز ذات اپنی کے غیر کا محتاج نہ بنادے۔

یہاں ایک بھائی محمد اکبر خان صاحب بی، اے، چند روز سے پہنچے ہیں۔ بہت خیریت سے ہیں۔ ان کی زبانی مختلف احوال سننے میں آئے۔ ایک سنجیدہ نوجوان ہیں۔ ہماری طرف سے ان کے ساتھ نہایت نیک سلوک ہے۔ خداوند تعالیٰ ان کے وجود کو بھی ہمارے حق میں خیر کا باعث بنادے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ اپنی ہمسایہ بستی میں ایک مدرسۂ ابتدائی کی بنیاد ڈالیں جس کے واسطے پشاور سے تختی، قلم، دوات، ابتدائی کتب فارسی انجمن حمایت اسلام، سیپارے قاعدے خریدنے کے واسطے آدمی روانہ کیا ہے۔ اللہ ہمیں اس کام میں کامیاب کرے۔ جب سے میں آیا ہوں ہمیں اسی ادھیڑ بن میں ہوں۔ مگر حوادث نے فرصت اور دم نہیں لینے دیا۔ مسجد کے ساتھ بھی ایک مدرسہ جو زمانہ کی تازہ ضروریات کی کفالت کرسکے، بنانے کا خیال تھا بلکہ اس میں پتھر اور لکڑی جمع کردی تھی مگر مولوی محمد یوسف کی قبل از وقت موت نے وہ سارا کام خواب وخیال کردیا۔ آدمی تھوڑے رہ گئے جو ضروریات زندگی کے علاوہ بشکل جنگ وزیرستان کی ذمے داری ادا کرسکیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس جماعت کا سارا دارومدار قدیم انصار پر ہے۔ جدید لوگ تو زبانی اور اخلاقی تائید کے سوا بہت کم مدد دے سکتے ہیں اور وہ لوگ یعنی قدیم لوگ بسبب ناواقفیت واقعات کے بیرونی طرف متوجہ ہیں۔ ایک ایسی ذمے داری کے نیچے دب گیا ہوں جس سے قید جیل کی ایک آسان کام معلوم

---

[1] مکین، وزیرستان میں مجاہدین کا مرکز تھا۔

نا ہے۔

صدق اور استقلال اور انتہائی وفا انسان کے سارے کام بنا دیتی ہے۔خداوند تعالیٰ کی تائید بھی ہے لوگوں کے شامل حال رہا کرتی ہے۔پس چاہیے کہ آں عزیز بھی بدل کوشش کریں،ممکن ہے کہ رکِ مافات کی صورت پیدا ہو جائے۔

آپ کو یقین کرنا چاہیے،جمعیت مقدسہ مجاہدین کے مقابلے میں سیکڑوں لوگ نیک خیال اور نقلال لے کر پیدا ہوئے جن کا عقیدہ تھا کہ مجاہدین کا وجود محض ایک لغو شے ہے۔ نیا سلسلہ بنانا ہیے۔افسوس زمانے نے اگرچہ چند روز ان کی موافقت کی مگر پھر بھی آج ان کا نشان نظر نہیں آتا حضرت لوی نصیر الدین صاحب کا واقعہ ایک مشہور واقعہ ہے۔کئی لوگ سوات اور باجوڑ کے درمیان مرکز ئم کرنے کے فکر مند ہوئے مگر آج وہ انگریز کے ملک میں خاموش اور نہایت پست ہمت ہو کر اپنے شاغل میں مشغول ہیں۔کاش اس خاکسار کو اپنی جمعیت کی نمایندگی کا کوئی موقع مل جاتا۔انشاء اللہ ج مجاہدین کی صدسالہ کوشش بیرونی دنیا میں ایسی ذلیل اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھی جاتی۔سب بھائیوں طرف سے سلام قبول ہو۔

بھائی برکت اللہ صاحب یہ خط مولوی محمد اقبال شیدائی صاحب کی خدمت میں پہنچادیں۔

(خط پر یہ پتا درج ہے):

مشین خانہ دار السلطنت کابل

استاد برکت اللہ صاحب مہتمم چھاپ خانہ سرکاری

ملاحظہ یابند۔

(لفافہ کی پشت پر یہ عبارت مرقوم ہے): برادرم مستری امام الدین صاحب و کرنیل عزیز الدین صاحب و استاد صاحب توپ خانہ را سلام مسنون تقدیم نمودہ مشکور بسازند۔